حدیث موالاۃ اور امامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

مشہور شیعہ سکالر ڈاکٹر سید محمد تیجانی سماوی لکھتے ہیں کہ:

''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار''

جس کا میں مولا ہوں، اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ خدایا جو علیؑ کو دوست رکھے، تو بھی اس کو دوست رکھ، اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر، جو علیؑ کی مدد نہ کرے تو بھی اس کی مدد نہ کر، جدھر علیؑ مڑیں اسی طرف حق کو موڑ دے۔

جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان اس شخص پر فضیلت رکھتے ہیں جس کو رسول خدا نے اپنے بعد مؤمنین کا ولی بنایا ہے۔ ان لوگوں کے خیال باطل کو باطل کرنے کے لئے صرف یہ حدیث اکیلی ہی کافی ہے اور جن لوگوں نے صحابہ کا بھرم رکھنے کے لئے اس حدیث میں لفظ مولیٰ کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد محبّ و ناصر ہے ان کی تاویل بے اعتبار ہے کیونکہ جس اصلی معنی کا رسول ﷺ نے ارادہ کیا تھا اس معنی سے اس کو موڑنا ہے کیونکہ شدید گرمی میں جب رسول خدا نے کھڑے ہو کر فرمایا:

کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ میں مؤمنین کے نفوس پر مؤمنین سے زیادہ اولویت رکھتا ہوں؟ تو سب نے کہا بے شک یا رسول اللہ۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''**من کنت مولاہ**.....'' یہ نص صریح ہے کہ حضور ﷺ حضرت علیؑ کو اپنی امت پر خلیفہ بنا رہے ہیں۔ ہر عقل مند اسی مطلب کو قبول کرے گا اور دور از کار تاویلوں کو ترک کر دے گا۔ رسول ﷺ کا احترام، صحابہ کے احترام سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صرف یہ بتانے کیلئے کہ علیؑ ناصر ہیں اور محبّ ہیں آنحضرت ﷺ نے چلچلاتی دوپہر میں جس کی گرمی ناقابل برداشت تھی صرف اتنا کہنے کے لئے اکٹھا کیا تھا تو یہ رسول ﷺ کا مذاق اڑانا ہے۔ ان کو (معاذ اللہ) احمق ثابت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جو محفل مبارکباد منعقد کی گئی تھی اس کی کیا تاویل کی جائے گی؟ بھلا اتنی سی بات کیلئے ایسی محفل تبریک کی کیا ضرورت تھی؟ جس میں سب سے پہلے امہات المؤمنین نے مبارک باد پیش کی۔ پھر ابوبکر و عمر آ کر بولے مبارک ہو مبارک ہو ابو طالب کے فرزند تم تمام مؤمنین و مؤمنات کے مولا ہو گئے۔ اگر خلافت و امامت مراد نہ ہوتی تو رسول یہ سب نہ کرتے، نہ محفل سجتی، نہ مبارک باد پیش کی جاتی۔

واقعہ اور تاریخ دونوں تاویل کرنے والوں کو جھٹلاتے ہیں۔ ارشادِ خدا ہے:

وَاِنَّ فَرِیقاً مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُونَ الحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُونَ○　(البقرۃ ۱۴۶)

اوران میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدہ ودانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔

(''ثم اھتدیت'' مؤلفہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی مترجمہ حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی ''پھر میں ہدایت پا گیا۔ص۲۰۴-۲۰۵)

مشہور شیعہ سکالر سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں کہ:

(غدیر خم کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے) تقریر کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بازو پکڑ کر اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل مبارک نمایاں ہوگئی اور پورے مجمع نے حضرت علیؓ کو دیکھا اس کے بعد فرمایا:

ایھا الناس! من اولی الناس بالمؤمنین من انفسھم؟

لوگو! مومنوں کے نفوس سے اولیٰ کون ہے؟ سب نے کہا۔ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا:

ان اللّٰہ مولای و انا مولی المؤمنین و انا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ.

بلاشبہ اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا ان کے نفسوں سے زیادہ مولیٰ ہوں اور جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؓ بھی مولا ہیں۔ یہ جملہ تین مرتبہ اور بروایت امام احمد بن حنبل چار مرتبہ فرمایا:

اس کے بعد فرمایا:

یا اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ، جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ، جو علیؓ کا ساتھ نہ دے تو بھی اس کا ساتھ نہ دے۔ حق کو ادھر رکھ جدھر علیؓ ہوں۔ دیکھو حاضر افراد، غیر حاضر لوگوں تک یہ پیغام ضرور پہنچا دیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد۸ص۱۰۰۹)

مشہور شیعہ مصنف آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ریٹائرڈ، ڈسٹرکٹ وسیشن جج رقم طراز ہیں کہ:

(حضرت علیؓ کی جانشینی کے) اس اعلان کے لئے موقع، وقت اور مقام کی موزونیت کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ تقریباً تمام عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ رسول خدا کا اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت بھی قریب آ چکا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری حج کی تیاری شروع کر دی۔ عام منادی کرا دی کہ لوگ حج کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ جوق در جوق لوگ مدینہ میں اکٹھا ہونے لگے۔ آپ نے ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ سے کوچ فرمایا تو آپ کے ہمراہ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا مجمع تھا۔ یہ مجمع بڑھتا ہی گیا کیونکہ جو مدینہ میں اکٹھا نہ ہو سکے تھے وہ راستہ میں شامل ہوتے رہے (یہ مجمع کئی گنا ہو گیا).....

پھر جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہونے لگے تو سارا مجمع اسی طرح آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے خم غدیر پہنچ کر قیام فرمایا جبکہ یہاں کوئی منزل نہ تھی۔ موسم بھی خوش گوار نہ تھا کہ یہ کہا جا سکے کہ منزل کرنے کو دل چاہا۔ چلچلاتی دھوپ تھی، دوپہر کا وقت تھا اور جگہ بھی ناہموار، جا بجا ببول کے کانٹے۔ مگر یہ جگہ اور وقت اس کام کے لئے نہایت موزوں تھے کہ جس کا تاکیدی حکم آ چکا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے کئی راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے لہٰذا یہاں سے سارا مجمع مختلف گروہوں میں بٹ جاتا۔

اب اگر کوئی اہم اعلان ساری امت تک پہنچانا تھا تو اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اونٹوں کے کجاووں کو جمع کر کے ایک منبر بنایا۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا انتظار فرمایا۔ جو ذرا آگے بڑھ چکے تھے انہیں واپس بلایا اور جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے مگر خطبہ دینے سے پہلے حضرت علی کی رسم دستار بندی ادا کی۔ اپنے جانشین حضرت علی بن ابی طالب کے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔

(بحوالہ سیاستِ راشدہ تلخیص ''البلاغ المبین'' ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ ساجدہ اکیڈمی فیڈرل بی ایریا کراچی)

آغا صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:

اس کے بعد آپ نے ایک خاص خیمہ نصب کرادیا جس میں حضرت علیؓ نے بیٹھ کر جناب رسول خدا کے حکم سے تمام امت سے بیعت لی اور تمام امت نے آپ کو مبارک باد دی، اس میں مرد و عورت سب شامل تھے.....

(البلاغ المبین حصہ اول (سوم) ص ۵۵۰، ۵۵۱)

حدیث **''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''** پر روایتاً و درایتاً بحث آگے آ رہی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر استدلال صحیح ہے یا غلط لیکن بیعت علیؓ سے متعلق اہل تشیع کے بیان کردہ مذکورہ واقعہ کو صحیح تسلیم کرنے سے مزید کئی اشکالات اور پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں:

۱۔ اہل تشیع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غدیر خم کے مقام پر بیعت علیؓ کی تقریب ۱۸ ذی الحجہ کو منعقد ہوئی اسی لئے وہ اس تاریخ کو ہر سال عید غدیر کے طور پر مناتے ہیں حالانکہ اس تاریخ کو خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کی شہادت واقع ہوئی تھی تو اشکال یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے ۱۸ ذی الحج کو غدیر خم کے مقام پر قیام فرمایا تھا؟

غدیر خم مکہ مکرمہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے آنحضرت ﷺ حج کی ادائیگی کے بعد ۱۴ ذی الحج کو صبح کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اس طرح وہ ۱۵ ذی الحج کو غدیر خم کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ ۱۸ تاریخ تک ایک ہی مقام پر قیام ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ اہل تشیع نے بڑے زور شور سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے مع رفقاء سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں قیام فرمایا تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت گرمیوں کا موسم تھا؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور مارچ کے پہلے ہفتے میں مناسکِ حج ادا فرمائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ گرمیوں کا موسم نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو۔

(حیات النبی ﷺ مؤلفہ میاں محمد سعید صاحب ص ۱۱۲ مطبوعہ فاروقلیط اکادمی کراچی)

۳۔ آغا مرزا محمد سلطان اور ڈاکٹر محمد تیجانی نے یہ لکھا ہے کہ:

مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت شرکاء کی تعداد کم سے کم ۹۰ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔

حج کے موقع پر یہ تعداد کئی گنا ہوگئی۔ اگر کم سے کم تعداد بھی لیں تو یہ تین گنا ضرور ہوگی یعنی ۹۰x۳= دولاکھ ستر ہزار جن سے حضرت علیؓ نے خیمہ نشین ہوکر بیعت لی۔ اس عملِ بیعت کے لئے اگر اوسطاً فی کس ایک منٹ بھی شمار کرلیا جائے (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے) تو اس عمل پر کل دولاکھ ستر ہزار منٹ صرف ہوئے۔

گویا اس عمل پر گھنٹوں کے حساب سے چار ہزار پانچ سو گھنٹے، دنوں کے حساب سے ۱۸۷ دن اور ۱۲ گھنٹے اور مہینوں کے حساب سے چھ ماہ اور سات گھنٹے صرف ہوئے۔

اگر خیمہ کے ساتھ ہی مسلسل لوگ قطار باندھے کھڑے رہیں تو پھر بھی کم از کم اس عمل پر نصف منٹ صرف ہوگا۔ تو اس طرح تین ماہ سے کم مدت میں یہ بیعت کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔

پھر یہ کم سے کم مدت بھی تب ہی صحیح ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؓ ایک لمحے کا توقف کیئے بغیر بیعت پر بیعت لیتے جائیں لیکن بشری تقاضے (نیند، قضائے حوائج، غسل، وضو، نماز، خورونوش) پورے کرنے کے لئے وقت بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو پھر مدت مزید بڑھ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اتنی بڑی تعداد کے کھانے پینے، رہائش، وضو اور نماز کے انتظامات کرنا بھی ایک مستقل مسئلہ ہے۔

مزید برآں نبی اکرم ﷺ کی رحلت مشہور قول کے مطابق بارہ ربیع الاول ۱۱ھ اور تحقیقی قول کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو واقع ہوئی۔ جبکہ غدیرخم میں بیعت علیؓ کا عمل باتفاق شیعہ ۱۸ ذی الحج کو عمل میں آیا تھا۔ اگر ذی الحج، محرم اور صفر تینوں مہینوں کو کامل یعنی تیس تیس دن کے تصور کرلیا جائے تو محرم اور صفر کے ۶۰ دن + ذی الحج کے بقیہ ۱۳ دن (بشمول ۱۸ ذی الحج) + ربیع الاول کے ۱۱ دن (مشہور قول کے مطابق) گویا نبی اکرم ﷺ کے وصال تک یہ مدت چوراسی (۸۴) دن ہوئی۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی غدیرخم میں بیعت کا عمل جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت مدینہ منورہ میں واقع ہوئی اور حضرت علیؓ بقول شیعہ بیعت لینے میں مصروف تھے اور جب وہ بیعت سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق منصب خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

۴۔ مبایعین تو بیعت کر کے رخصت ہوتے رہے لیکن حضرت علیؓ تین ماہ تک مسلسل ایک ہی جگہ خیمہ نشین ہوکر بیعت کے لئے ۲ لاکھ ستر ہزار مرتبہ اپنا ہاتھ آگے بڑھانے اور پھیلانے کے پابند رہے۔ یہ فعل اگرچہ بطور عادت انسانی طاقت سے ماوراء ہے لیکن شاید مشکل کشاء سے اس کا صدور ممکن ہو۔

۵۔ اس عظیم مجمع میں سے جن لوگوں نے آخری دنوں میں حضرت علیؓ کی بیعت کی ہوگی انہیں تین ماہ سے زائد عرصہ تک ایک ہی جگہ بیٹھ کر انتظار کی اذیت اور دیگر مصائب برداشت کرنا پڑے ہوں گے۔

حضرت علیؓ کی بیعت کو بیعت رضوان اور خلفاء راشدین کی بیعت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حدیبیہ کے مقام پر نبی اکرم ﷺ نے کئی دن تک قیام فرمایا تھا حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ میں سفیر بنا کر بھیجا گیا اور مذاکرات بھی جاری رہے۔ تعداد بھی دولاکھ ستر ہزار نہیں صرف چودہ سو کے لگ بھگ تھی۔ جس پر مذکورہ حساب (یعنی تیس سیکنڈ فی کس) کی رو سے

تقریباً بارہ گھنٹے صرف ہو سکتے ہیں اور مختلف نشستوں میں وقفہ وقفہ سے یہ عمل مکمل ہو گیا پھر آنحضرت ﷺ کا ہاتھ مبارک بھی حضرت عمرؓ تھامے رہے۔

جبکہ خلفاء راشدین کی بیعت کسی ویران مقام پر نہیں بلکہ سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں اور مختلف اوقات میں مہاجرین وانصار سے (جن کی تعداد بھی محدود تھی) لی گئی۔

۶۔سخت حیرت ہے کہ تین ماہ سے زائد عرصہ تک غدیر خم کے مقام پر یہ عمل جاری رہا لیکن اس روایت کو تواتر وشہرت تو کیا حاصل ہوتی الٹا اسے غریب منکر اور اخبار احاد وموضوعات میں جگہ مل سکی۔

۷۔مزید حیرت اس بات پر ہے کہ جان نثار صحابہ کرامؓ جنہوں نے تین ماہ تک صعوبتیں جھیل کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر غدیر خم کے مقام پر خلافت کی بیعت کی تھی وہ اس قدر بے وفا اور عہد شکن ثابت ہوئے کہ انہوں نے اس بیعت کو سراسر فراموش کر کے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۸۔تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی ''مشکل کشا، اسد اللہ الغالب اور الغالب علی کل غالب'' ہوتے ہوئے بھی اس عہد شکنی پر نہ صرف چپ سادھ لی بلکہ الٹا خود بھی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر یکے بعد دیگرے خلافت کی بیعت کر لی۔

۹۔یہی وجہ ہے کہ ملا باقر مجلسی نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے غدیر خم کے مقام پر نہ صرف مبایعین کی تعداد کم کر کے ستر ہزار کر دی بلکہ مدتِ بیعت بھی تین دن روایت کر دی۔(ملاحظہ ہو حق الیقین فارسی مطبوعہ ایران ص ۱۰۴۔۱۰۶)

لیکن اس تعداد پر بھی وہی اشکال وارد ہوتا ہے کہ اتنے لوگوں سے بھی بیعت تین دن میں نہیں لی جا سکتی بلکہ اس کے لئے بھی بحساب ۱ منٹ فی کس ۱۱۶۶ گھنٹے یعنی ۴۸ دن درکار ہیں۔جبکہ متأخرین شیعہ آغا محمد سلطان مرزا نیز ڈاکٹر محمد تیجانی وغیرہ نے ملا باقر مجلسی کی منقولہ تعداد سے اتفاق نہیں کیا۔

۱۰۔مذکورہ اشکالات تو بیعت کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں جبکہ اہل تشیع کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت کی تکمیل کے بعد مبایعین گھروں کو نہیں گئے بلکہ اتنے عرصہ تک وہیں بیٹھے رہے اور اس کے بعد مجلس مبارکباد بھی منعقد ہوئی جس میں تمام مردوں اور عورتوں نے باری باری حضرت علیؓ کو خلافت کی مبارک باد دی۔

ظاہر ہے کہ بیعت اور مبارک باد کے عمل پر چھ ماہ کی مدت صرف ہوئی ہوگی۔شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی کیونکہ اس دوران وہ خود اپنی بیعت اور مبارک باد وصول کرنے میں ہی مصروف رہے۔اسی طرح کی دیومالائی کہانیوں سے ہی شیعہ مذہب ایجاد ہوا ہے۔بشرط صحت روایت اس کا پس منظر کچھ یوں بیان ہوا ہے:

حدیث من کنت مولاہ.....کا سبب ورود:

اس حدیث کے ورود کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا عامل بنایا تھا وہاں انہوں نے خمس کے مال سے ایک جاریہ اپنے لئے مخصوص فرمائی لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا اور آنحضرت ﷺ تک یہ شکایت پہنچائی۔ ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے دو لشکر روانہ کیے تھے۔ ایک لشکر کے امیر حضرت خالدؓ تھے اور دوسرے کے حضرت علیؓ۔ حضرت علیؓ نے ایک قلعہ فتح کیا اور ایک لونڈی اپنے لئے مخصوص کر لی۔ حضرت خالدؓ نے حضرت براء بن عازبؓ کے ہاتھوں ایک خط اس بارے میں رسول اللہ کے پاس بھیج دیا۔ رسول اللہ نے جب لوگوں کی شکایت سنی اور یہ خط ملاحظہ فرمایا تو آپؐ نے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا چاہتے ہو جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔

آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا تا کہ لوگوں کے دلوں سے علیؓ کی شکایت نکل جائے اور ان کے دلوں میں محبت کے جذبات جگہ لیں۔ وہ لونڈی حضرت علیؓ کے اپنے حصہ میں انہیں ملی تھی۔ اسے سریہ بنانے میں کوئی گناہ نہیں تھا۔ لوگوں نے غلط فہمی میں آ کر اعتراض کر دیا تھا۔

جب آپ ﷺ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تو حضرت عمرؓ گویا ہوئے:

اے ابوطالب کے فرزند خوش ہو جاؤ تم ہر مومن اور مومنہ کے دوست بن گئے ہو۔

یہ تمام تفصیل المستدرک للحاکم جلد ۳ باب **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** ص ۱۱۰۔۱۱۱ میں مذکور ہے۔

لفظ مولیٰ کے معنی:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کو مولا علیؓ کہنا کہاں تک درست ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

بھائی مولا کا معنی ساتھی، رفیق یا آقا ہوتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ **من کنت مولاہ علی مولاہ** یعنی جس شخص کا میں ساتھی، رفیق یا آقا ہوں۔ حضرت علیؓ بھی اس کا رفیق، ساتھی یا آقا ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں اور درست ہیں لہٰذا متذکرہ لفظ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ماہنامہ نصرت العلوم ص ۱۴ مئی ۱۹۹۹)

اہل تشیع کے نزدیک ''مولیٰ'' سے مراد حاکم اور اولیٰ بالتصرف ہے اور اسی کو امام کہتے ہیں۔ اس لفظ سے عقیدہ امامت پر استدلال بوجوہ باطل ہے:

اولاً: اس طریق استدلال و حجت میں پہلی خرابی اور خامی تو یہ ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ کسی جگہ استعمال نہیں ہوتا۔ اہل لغت اس کے قائل نہیں ہیں کہ ''مَفْعَلَ ، اَفْعَلَ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ثانیاً: اگر مولیٰ اولیٰ کے معنی میں استعمال ہو بھی تو بالتصرف سے اس کا صلہ ٹھہرانا کس لغت سے ثابت ہو سکتا ہے؟ نیز اگر بالفرض مولیٰ بمعنی اولیٰ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اولیٰ بالمحبت والتعظیم والقرب کے معنی میں ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اولیٰ بالتصرف کے معنی میں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَo (آل عمران ۶۸)

تحقیق ابراہیمؑ کے ساتھ زیادہ تعلق ان لوگوں کا ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس نبی کی اور ایمان والوں کی اور اللہ مؤمنین کا دوست ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے متبعین اولیٰ بالتصرف نہیں ہیں۔

ثالثاً: لفظ مولیٰ حسب ذیل معانی میں مشترک ہے۔

دوست، مالک، محبّ، حبیب، معاون، ناصر، ساتھی، تابع اور ہمسایہ۔ لہٰذا کسی ایک معنی کی تخصیص کے لئے قوی قرینہ چاہیے اور یہ قوی قرینہ زیر بحث حدیث کے اندر ہی موجود ہے۔ حدیث کے آخری دعائیہ الفاظ ہیں۔ اللّٰھم وال من والاہ اے اللہ تو اسے دوست رکھ جو اس (علیؓ) کو دوست رکھے۔

پس حدیث مذکورہ میں بطریق اولیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں مولیٰ سے دوست اور محبوب مراد ہے۔ حدیث میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں جو اس بات کا قرینہ بن سکے کہ مولیٰ بمعنی حاکم و امام ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا دوست اور محبوب ہونا حضرت علیؓ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق جملہ صحابہ کرامؓ پر بھی ہوتا ہے۔

اگر مولیٰ سے حاکم یا خلیفہ بلافصل مراد لیا جائے تو نبی اکرم ﷺ پر یہ سخت الزام آتا ہے کہ جس امر کی تبلیغ کا آپؐ کو تاکیدی حکم دیا گیا تھا اور بار بار تنبیہ بھی کی گئی تھی تو آپؐ نے افصح العرب والعجم ہوتے ہوئے صریح اور واضح تر الفاظ میں امامت کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ اور اس کے لئے ایک مبہم اور کئی معانی میں مشترک لفظ کیوں استعمال فرمایا؟

جب معاملہ عقیدے کا ہو تو پھر اس کا اظہار اشارات و کنایات کے بجائے صریح اور واضح الفاظ میں ہونا چاہیے۔ امام ابونعیم المدائنی فرماتے ہیں:

حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ سے کسی نے کہا "**من کنت مولاہ**....." امامت علیؓ میں نص ہے تو فرمایا اگر رسول اللہ اس سے حکومت وامامت مراد لیتے تو اس سے صریح اور واضح تر لفظ بول سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سب مسلمانوں میں سے زیادہ فصیح تھے۔

رابعاً: اہل تشیع کے بعض علماء نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حدیث "**من کنت مولاہ**....." سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل صراحتاً ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ:

"**اثبت حجة اللّٰه تعریضاً لا تصریحاً بقوله فی وصیة من کنت مولاه فعلی مولاه**"

(احتجاج طبرسی ص ۱۳۵ طبع نجف اشرف)

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حجت (حضرت علیؓ کے امام ہونے) کو اشارے سے ثابت کیا ہے نہ کہ صراحت سے اپنے اس قول میں جو آپؐ نے اپنے وصی (حضرت علیؓ) کے بارے میں فرمایا تھا "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**"

اہل تشیع کی ایک دوسری ''مایہ ناز'' کتاب میں بھی یہ اعتراف موجود ہے کہ حدیث موالاۃ سے حضرت علیؓ کی امامت پر استدلال میں لوگوں کا اختلاف ہے:

''اختلفوا فی دلالته علی الامامة''　　(شرح تجرید ص۲۳۰ طبع قم)

خامساً: قرآن مجید میں لفظ مولیٰ بمعنی مالک وآقا جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آیا ہے۔مثلاً

اَنْتَ مَوْلٰنا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنo(البقرۃ۲۸۶)

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰکُمْ وَهُوَ خَیْرُ النٰصِرِیْنo(آل عمران۱۵۰)

لہٰذا حضرت علیؓ کے لئے لفظ مولیٰ (بمعنی آقا اور مالک) کا استعمال واضح شرک ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ کائنات یعنی عالم کا حاکم اور آقا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور اگر حضرت علیؓ کے لئے مولائے کائنات کی ترکیب میں لفظ مولیٰ بمعنی ناصر اور مددگار کے لیا جائے تو پھر بھی اس کا شرک اور ضلال ہونا واضح ہے کیونکہ پوری کائنات کے ناصر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

سادساً: نزول قرآن کے زمانے میں لفظ مولیٰ بکثرت غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً

نافع مولیٰ ابن عمرؓ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، ابورافع مولیٰ رسول اللہ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ۔ بلکہ وہ غلام جنہیں آزاد کر دیا گیا انہیں بھی مولیٰ کے لفظ سے ہی پکارا جاتا رہا۔

حدیث موالاۃ کی اسنادی حیثیت:

امام ترمذیؒ نے حدیث موالاۃ اس طرح نقل کی ہے:

حدثنامحمد بن بشار نامحمد بن جعفر نا شعبة عن سلمة بن کهیل قال سمعت ابا الطفیل یحدث عن ابی سریحة اوزید بن ارقم شک شعبة عن النبی ﷺ قال من کنت مولاه فعلی مولاه.

هذا حدیث حسن غریب وروی شعبة هذا الحدیث عن میمون ابی عبدالله عن زید بن ارقم عن النبی ﷺ نحوه.　(جامع ترمذی۔ابواب المناقب۔باب مناقب علی بن ابی طالب)

یہ حدیث حسن غریب ہے۔شعبہ نے یہ روایت میمون ابوعبداللہ کے واسطے زید بن ارقم سے روایت کی ہے۔شعبہ کو اس میں، شک واقع ہوا ہے کہ یہ روایت ابوسریحہ حذیفہ بن اسید سے مروی ہے یا زید بن ارقم سے۔

دوسرا شک یہ ہے کہ شعبہ نے یہ حدیث سلمہ بن کہیل سے روایت کی ہے یا میمون ابوعبداللہ سے۔

اس طرح اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے اور مضطرب روایت ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔اس کے علاوہ میمون ابوعبداللہ جس پر اس حدیث کا دارومدار ہے وہ محدثین کے نزدیک لاشئی ہے۔

کان یحییٰ لا یحدث عنه وقال الاثرم ممن احمد احادیث مناکیر وقال اسحٰق بن منصور عن یحییٰ بن معین لا شئی وقال ابو داؤد فکلم فیه. (تہذیب التہذیب جلد۴ص۱۵۷)

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں۔ ثبت علی تشیعه وہ اپنی شیعیت پر پکا رہا۔**قال ابو داؤد کان سلمة یتشیع.**

ابوداؤ د نے کہا سلمہ میں تشیع پایا جاتا ہے۔اس قسم کے راویوں سے مروی کسی حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت وامامت پر کیوں کر استدلال کیا جاسکتا ہے؟

حیرت ہے کہ اس ضعف کے باوجود بعض صوفیاء نے عقیدت کے جوش میں اسے حدیث متواتر قرار دیا ہے جبکہ محقق علماء حدیث کے نزدیک یہ حدیث نہ تو خبر واحد کے طور پر کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی سند سے درجۂ صحت کو پہنچتی ہے گو اس کی اسناد بظاہر زیادہ ہیں۔

چنانچہ جلیل القدر محدث حافظ جمال الدین زیلعیؒ بسم اللہ بالجہر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کی روایات اگر چہ بہت ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور بہت سی روایات ایسی ہیں کہ ان کے راوی بہت ہیں اور ان کے طرق یعنی اسناد متعدد ہیں مگر پھر بھی وہ حدیثیں ضعیف ہیں:

کحدیث الطیر و حدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ. بل قد لا یزید کثرۃ الطرق الا ضعفا وانما یرجح بکثرۃ الرواۃ اذا کانت الرواۃ محتجا بھم من الطرفین.

جیسے حدیث طیر اور حدیث **الحاجم والمحجوم** اور حدیث **من کنت مولاہ.** بلکہ ان کے جس قدر طرق بڑھتے جائیں گے ان کا ضعف مزید بڑھتا جائے گا۔

کثرت رواۃ سے وہاں ترجیح ہوتی ہے جہاں راوی دونوں طرف سے احتجاج کے لائق ٹھہریں۔

(نصب الرایہ طبع جدید جلد اول ص ۴۳۷ وطبع قدیم جلد اول ص ۳۶۰)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فلا یصح من طریق الثقات اصلاً. (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۸۶)

یہ حدیث ثقہ راویوں کی روایت سے اصلا درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔

دیگر اکابر علماء ومحدثین مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم رازی، ابراہیم الحربی، ابن ابی داؤ د اور ابن حزم ظاہری وغیرہ کو زیر بحث حدیث کی صحت میں کلام ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حدیث مولاۃ یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس قدر ضعیف ہے کہ اس سے کسی عقیدہ کے اثبات میں حجت نہیں پکڑی جاسکتی چہ جائیکہ اسے خلافت وامامت جیسے اہم عقیدے میں نص قرار دیا جاسکے۔ کیونکہ عقائد کے اثبات کے لئے جن قطعی دلائل اور جس قطعی یقین کی ضرورت ہے وہ ظنی دلائل اور اخبار احاد سے حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ زیر بحث روایت ایک بھی سند متصل مرفوع سے ثابت نہیں ہے۔

اگر بالفرض اسے خبر واحد صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ حضرت علیؓ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے نہ کہ عقیدہ امامت یا خلافت بلافصل۔

آخری قسط